ترجمہ و تلخیص

عالم اسلام میں مغربی قوانین کی یلغار

اور فقہ اسلامی کے احیاء کی ضرورت

تحریر: محمد حبیب بلخوجہ ——— ترجمہ: ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی

اس طویل مقالہ بعنوان الفقہ الاسلامی وقضایا العصر (شائع شدہ ہفتہ وار العالم الاسلامی مکہ مکرمہ ۱۲ رمئی ۱۹۹۷ء ص ۱۰ اور ۱۹ رمئی ۱۹۹۷ء ص ۱۰) کے ترجمہ کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ اس میں بالواسطہ ان قانونی تبدیلیوں کا ذکر آیا ہے جو عالم اسلام میں مختلف سامراجی تسلطوں اور آزادی کے بعد ان کے تابعدار اور مسلم حکمرانوں کے ہاتھوں شریعت کو اسلامی معاشروں میں بیخ و بن سے اکھاڑنے اور اسلامی عدالتوں کو اس طرح اجاڑنے کے لیے عمل میں آئیں کہ آج دنیا میں یہ مطالبہ حیرت واستعجاب کا موجب بن گیا ہے کہ چند سر پھرے دین و شریعت کے احیاء کے داعی مسلم ممالک کی مسلم رعایا کے لیے شرعی احکام کی تنفیذ اور شرعی عدالتوں کے قیام کی راگنی بے وقت الاپ رہے ہیں۔

سامراجی دور کی قانونی تبدیلیوں میں کچھ اضافہ خود مترجم کے ایک مطبوعہ مقالہ بعنوان "متحدہ عرب امارات کس کے خواب کی تعبیر" (سہ ماہی فکر و نظر، علی گڑھ ۳۳/۲، ۱۹۹۶ء ص ۵-۱۳) میں وارد بعض معلومات سے بھی کر دیا گیا ہے۔

ترجمہ میں مؤلفین کے غیر مکمل ناموں، غیر مذکور سنین ولادت و وفات اور ان کی تالیفات کے ادھورے ناموں کی تکمیل بھی کر دی گئی ہے۔ (مترجم)

اس مطالعہ کا مقصد وقتِ حاضر میں عالم اسلام کے اس حسّاس موضوع پر اظہارِ خیال کرنا ہے جس پر قدیم و جدید مشرقی و مغربی، مسلم و غیر مسلم ہر کس و ناکس مدعی اصلاحِ حال و مآل اور علماء شریعت و معاصر قانون داں اپنے اپنے نقطۂ نظر سے سوچتے رہتے ہیں، متقابل گروہوں میں اختلاف شدّت اختیار کرتا ہے تو بحث و مجادلہ کی گہما گہمی میں حقائق نظر

سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور بلند و بانگ دعوے کرنے والے دانشوروں عقل وفہم کے عام اصولوں میں خلط ملط کرنے لگتے ہیں۔ ایسے وقت میں عقل وشرع ہر لحاظ سے فقہ اسلامی کی حقیقت وافادیت واضح کرنے کے لیے تحقیق وتفتیش اور تحلیل وتجزیہ کا کام واجب ہو جاتا ہے تاکہ لوگ اللہ کے قائم کیے ہوئے دین وشریعت کی برتری کو دل سے مانیں اور اس کی پابندی کریں۔

شریعت کا قانونی نظام

شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء کے مطابق:

اسلامی شریعت کا قانونی نظام خاص حقوق کی دونوں شاخوں، مدنی اور جنائی اور عام حقوق کی دونوں شاخوں: اندرونی اور بیرونی یعنی دستوری، اداری، مالی اور عالمی امور کو شامل ہے۔ اسلامی شریعت کے اصلی مآخذ یعنی قرآن وسنت میں صرف وراثت اور بعض جرائم کی سزاؤں کے مفصل احکام بیان ہوئے ہیں جبکہ باقی موضوعات سے متعلق صرف بنیادی قانونی اصولوں کا ذکر کر کے ان کے تفصیلی احکام کو زمان ومکان کی مصالح وضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ مختلف ممالک میں جب مسلمانوں کا واسطہ قدیم تہذیبوں سے پڑا اور ان کے معاشی حالات میں بہتری پیدا ہوئی تو فقہاء اور قضاۃ عصر نے انہی اصولوں کے مطابق اجتہاد کر کے تفسیری وتفصیلی فقہ کا وہ عظیم ذخیرہ تیار کیا جس کی وسعت وجامعیت کی نظیر قانون سازی کی معروف تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس مبارک کوشش کے نتیجہ میں بہت سے اسلامی فقہی قانونی مکاتب فکر وجود میں آئے جن میں سے آج تک زندہ رہنے والے مشہور مذاہب: حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ ان میں کوئی بنیادی ومتی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ناواقفوں کو مغالطہ ہوتا یا دیا جاتا ہے، جو کچھ اختلاف ہے، وہ قضائی اور قانونی آراء کا ہے جن کی وجہ سے اسلامی فقہ کے قانونی نظریات کی ثروت میں زرخیز اضافہ ہوا۔[1]

---

[1] مصطفیٰ زرقاء، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، مطبعۃ الانشاء، دمشق ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء، ۱/۳۲-۳۲

شریعت کے حاملین

ہر زمانہ میں اس علم کی آبیاری اہل ترین ثقہ علماء نے کی۔ ان میں ایسے نامی گرامی فاضل فقہاء و قضاۃ اٹھے جنھوں نے اسرار و رموز شریعت میں رسوخ حاصل کیا اور عوام و خواص کے لیے ان کی فہم کا راستہ ہموار کیا، دلائل کے ساتھ احکام کی تفصیل بیان کی، ان کو اس وقت کے مسائل پر منطبق کیا اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عدل کے قیام کو مدنظر رکھتے ہوئے متنازع فریقوں کے درمیان غیر جانبدارانہ فیصلے کیے۔ ان علمی احکام کے استنباط میں ان کا اعتماد صرف قرآن و سنت پر تھا، جہاں ان دونوں کی نصوص خاموش تھیں وہاں روح شریعت کے ترجمان کلی عام قواعدِ شریعت کے پاس و لحاظ کے ساتھ اپنے فقہی مطالعہ اور فہم و سمجھ سے حاصل کردہ شرعی اشارات، تقاضوں اور فقہی اصولوں کی طرف رجوع کرتے تھے، جن میں ان کے درمیان بشری سوجھ بوجھ کا اختلاف ہونا قدرتی بات تھی۔ اس اختلاف کو کسی دنیاوی قانون کی تشریح و تعبیر اور تنفیذ و تطبیق میں قابلِ اعتراض انوکھی بات تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اسلامی فقہ کے مآخذ

کاروان فقہ کے طویل سفر میں مجتہد ائمہ کی مساعیٔ جمیلہ پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر: کتاب و سنت اور اجماع و قیاس تھے۔ ان کے علاوہ ثانوی مصادر جن میں ان کے درمیان اختلافی نقطۂ نظر بھی پائے جاتے ہیں: استحسان، استصلاح، استصحاب، برات اصلیہ، سد ذرائع، عرف، شارع کے عام مقاصد یا روح شریعت تھے جن کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ فقہ کے ان سرچشموں میں بہت سے اہم بلند ترین مقام کتاب و سنت کو حاصل ہے جن کو وحی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ان سے اخذ و استمداد پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے، اس لیے کہ تشریع کے زمانہ میں انہی پر اعتماد تھا اس لیے وہ شریعت کی اصل و بنیاد قرار پائے۔

الکتاب

الکتاب سے قرآن کریم مقصود ہوتا ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی مبین

میں نازل ہوا تو نہ صرف ان کا عظیم ترین معجزہ قرار پایا بلکہ اسلامی تشریع کی اصل و بنیاد بنا۔ وہ اسلامی شریعت کے تمام اعتقادی اخلاقی اور عملی زندگی کے قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے، اسی پر آسمانی وحی کا خاتمہ ہوا اور تمام سابق الٰہی شریعتیں منسوخ ہوئیں اللہ تعالیٰ نے اس کو سابق شریعتوں پر 'مہیمن' یعنی محیط اور جامع و شامل کی امتیازی صفت سے نوازا اور اپنے بندوں کو اس کے احکام و تعلیمات کی تابعداری کا درج ذیل آیت میں پابند بنایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ (المائدہ: ۴۸)

ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی جو سابق کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کے معانی و مضامین و مفاہیم پر محیط ہے لہٰذا اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور آپ پر نازل حق کے بدلہ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اس لیے کہ ہم نے تم سب کے لیے ایک شریعت اور راہِ عمل متعین کر دی ہے۔

قرآنی احکامات اور پابندیوں کا نزول حسب ضرورت بتدریج ہوا اور کبھی کبھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سوالات اور استفسار کے جواب میں بھی آیات اتریں جیسا کہ ان پندرہ آیتوں سے معلوم ہوتا ہے جن کا آغاز يَسْئَلُوْنَكَ (وہ آپ سے پوچھتے ہیں) سے ہوا ہے اور ان دو آیتوں سے پتہ چلتا ہے جن کی ابتدا يَسْتَفْتُوْنَكَ (وہ آپ سے فتویٰ معلوم کرتے ہیں) سے ہوتی ہے۔

تشریعی احکام سے متعلق قرآنی آیات کو علماء نے آیاتِ احکام کی تفسیر و توضیح کی کتابوں میں اپنا موضوع بحث بنایا ہے، ان میں سے عبادات کی تقریباً ایک سو چالیس، خاندانی امور اور وراثت کی ستر، مدنی احکام یا معاملات کی ستر، جرائم اور سزا کی تیس اور قضاء و شہادت کی بیس آیات کا ذکر ملتا ہے۔

شرعی احکام کی آیات جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا عام کلی قاعدے کی نوعیت کی ہیں۔ ان میں سے بعض قطعی الدلالۃ ہیں جن کی ایک ہی تفسیر ہو سکتی ہے اور بعض ظنی

الدلالۃ ہیں جن کی ایک سے زیادہ تاویل ہوسکتی ہے۔ ان میں سے بعض ثابت اور باقی رہنے والی ہیں اور بعض میں تخصیص، تقیید یا نسخ ہوا ہے۔ ان سب موضوعات کا بیان تفسیر، فقہ، اصول فقہ یا مذکورہ موضوعات کی مخصوص کتابوں میں اپنی اپنی جگہ ملتا ہے۔

السّنۃ

سنت نبوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال واعمال وتصرفات مراد ہیں جن کو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ سے خود سنا، دیکھا یا اپنے ساتھیوں سے معلوم کیا۔ آپ کی ذات مبارک ان کے لیے اسوہ ونمونہ اور مرجع وحجت تھی اس لیے انھوں نے آپ کے دینی تصرفات سے عبادات کی عملی تفصیلات خاندانی برتاؤ، معاملات کے احکام، شرعی سیاست میں داخل فرد وجماعت اور حاکم ومحکوم کے تعلقات اور عام وخاص ادارتی، قضائی، مالی حقوق وواجبات کی معلومات حاصل کیں۔ چونکہ آپ ہی ان کے امام اعظم، مفتی اکبر اور حاکم اعلیٰ تھے، آپ کی سنت مؤمنین کی راہ کا رہنما پتھر اور آپ کا طریقہ متقین کے لیے راہِ ہدایت تھی۔ مختلف حالات میں آپ کے بے شمار اقوال واعمال کا ذخیرہ بہت متنوع تھا جس کو محمد طاہر بن عاشور (وفات ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۸ء) کی کتاب المقاصد کی فصل "شارع کی قانون سازی" کے مطابق احمد بن ادریس قرافی (وفات ۶۸۴ھ / ۱۲۸۵ء) نے چھتیس شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں تشریع، افتاء وقضاء، امارت وہدایت، صلہ رحمی، مشورہ طلب کرنے والوں کو مشورہ دینا اور نصیحت کرنا، نفوس کا تزکیہ وتکمیل، بلند حقائق کی تعلیم، ادب سکھانا، رشد وہدایت کے لیے وقف رہنا وغیرہ موضوعات شامل ہیں۔

تشریعی سنتوں کے بارے میں معلوم ہے کہ ان میں سے بعض میں قرآن کے اجمال کی تفصیل، مطلق حکم کی تقیید اور عام حکم کی تخصیص ہے اور بعض سنتیں اپنی تشریعی دلالت کے لحاظ سے مستقل بالذات ہیں یعنی ان سے متعلق قرآن شریف میں کوئی مثبت یا منفی حکم نہیں ہے۔ اس بارے میں امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰ - ۲۰۴ھ/ ۷۶۷ - ۸۲۰ء) کی تحقیقی رائے یہ ہے کہ جس مسئلہ میں کوئی قرآنی حکم نہیں ہے اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے سنت مقرر فرمائی تھی جیسے

کہ قرآن کریم میں ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الشوریٰ: ۵۲) یقیناً آپ راہِ مستقیم یعنی راہِ خدا کی ہدایت فرماتے ہیں۔

اس طرح اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں مذکور اور غیر مذکور دونوں طرح کے احکام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع نہ صرف ہر مسلمان پر لازم کر دی ہے بلکہ ان کی تابعداری کو اپنی اطاعت اور ان کی نافرمانی کو اپنی معصیت بتا کر کسی کے لیے اتباع سنت سے انکار کا عذر باقی نہیں رہنے دیا ہے اور مسلم علماء نے حدیثی مواد کی وسعت اور اس کے تنوع کو دیکھتے ہوئے تشریعی نصوصِ حدیث کو احکامِ حدیث کے نام کی بہت سی کتابوں میں مرتب کر دیا ہے۔

سنت کے خلاف عیب جوئی اور شکوک و شبہات پھیلانے والوں کی باتوں کا اس لیے کوئی اعتبار نہیں ہے کہ یہ اعتراضات گمراہ غرض مند سازشی جاہلوں کی طرف سے کیے جاتے ہیں جن کے جوابات بر وقت بہت سے اہلِ علم دیتے رہے ہیں خود راقم نے بھی اپنے ایک رسالہ بعنوان السنۃ الشریعۃ والعمل بہا میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر کر کے بات کو طول دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مختصراً جو مثبت بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے حامل اور سنۃ شریفہ کے راوی، جامع اور مرتب قدیم علماء جنھوں نے قرآن شریف میں تدبّر و تفکر کیا تھا اور اس کے علوم میں گہری مہارت حاصل کی تھی پھر حدیث نبوی کا روایت و درایت کے لحاظ سے مطالعہ کیا تھا اور اس کی سند و متن کے عظیم ذخیرہ کا تجریح و تعدیل اور تنقید و تعلیق کے ذریعہ تحقیق و تفتیش اور تحلیل و تجزیہ کا نمایاں کام انجام دیا تھا ان سب کی ان علمی و فنّی مساعی جمیلہ کی وجہ سے حدیث نبوی کی ایسی قیمتی دولت و ثروت جمع ہوگئی ہے جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اور ہر سننے سمجھنے اور دیکھنے بھالنے کے لائق شخص کے اطمینانِ قلب کے لیے خود بلیغ ترین حجت ہے۔ ان بے بدل علماء کے بارے میں امام محمد بن ابی بکر ابن قیمؒ (۶۹۱-۷۵۱ھ/ ۱۲۹۲ - ۱۳۵۰ء) نے اپنے تاثرات کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

یہ ائمہ صدق و صفا امانت و دیانت میں بلند ترین درجہ پر فائز، عقل و سمجھ

میں وافر ترین حصہ کے مالک، حفظ کے اعلیٰ ترین معیار سے آراستہ، صدق کی تلاش اور کذب سے اجتناب میں شدید ترین اصولوں کے قائل اور ان پر عامل تھے۔ ان کو صحتِ حدیث اور سلامت روایت کے مقابلہ میں نہ اپنے باپ اور بیٹوں کا لحاظ ہوتا تھا نہ اساتذہ و احباب کی رورعایت۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جس طرح کذب و بہتان سے پاک کیا اس کی مثال نہ کسی نبی کی باتیں نقل کرنے والے میں ملتی ہے نہ کسی غیر نبی کی حکایت بیان کرنے والے میں۔ انھوں نے اس علم کے پروان چڑھانے میں اپنے اساتذہ کی غایتِ احتیاط کو دیکھا تو خود بھی بڑھ چڑھ کر اس کی ایسی رعایت کی کہ ان کا شمار ان خوش نصیب افراد میں ہونے لگا جن سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے چیدہ بندے بنایا اور تاقیامت تمام امتوں پر ان کو اپنا گواہ بنا دیا۔

تشریعی مراحل

کتاب و سنت یعنی متلو و غیر متلو وحی کی امتیازی صفت یہ ہے کہ وہ روشنی کے ایک ہی چراغ یعنی نورِ الٰہی سے مأخوذ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے تمام لوگوں کے لیے بھیجا ہوا اللہ تعالیٰ کا پیغام ہیں، وہی دونوں رسالت یعنی بعثت سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال تک احکام شریعت کے مسلّمہ بنیادی مآخذ تھے، ان پر رائے کا اضافہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے اس وقت ہوا جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۲۰ ق ھ - ۱۸ھ/۶۰۳ - ۶۴۰ء) کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ صحابہ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کی وجہ سے تاریخ اسلام کا عصر اوّل ہی اسلامی تشریع کا بھی عہد اول تھا، آپ ان کے مرجع تھے، صحابہ آپ سے سوال کرتے تھے آپ ان کے استفسارات کے جواب دیتے اور متنازعہ امور میں فیصلہ فرماتے، پیش آمدہ نئے مسائل سے متعلق اللہ کے احکام کی وضاحت فرماتے اور روحِ شریعت سے سازگار ان کے عرف اور پسندیدہ عادات و رسوم و رواج کو برقرار رکھتے۔ اس طرح تشریع کا یہ عہدِ اولین صرف نظری ہی نہیں بلکہ عملی اور واقعی بھی تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک پندرہ صدیوں میں مجتہد علماء و فقہاء

اس کی خدمت کا للہ فی اللہ فریضہ انجام دیتے رہے اور ظاہر ہے کہ اس طویل مدت میں قدرتی طور پر علمی عروج وزوال، قوت وضعف اور تحفظ وتجدد کے مراحل سے واسطہ پڑتا رہا جن کی تفصیلی تقسیم شریعت کے مورخ بیان کرتے ہیں اور ہر مرحلہ کے امتیازی اوصاف کی نشاندہی کرکے سیاسی، سماجی، تاریخی عوامل میں اسباب ومسببات کی تلاش کرتے ہیں پھر ان کی روشنی میں علم فقہ کی نشرواشاعت، عالم اسلام کے مختلف اجزاء کے قوانین میں موازنہ اور تال میل کا ذکر کرتے ہوئے اس کی استقلالی طاقت کے اسرار اور آفاقیت کے رموز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ یہ طریقہ وسیع علمی تحقیقی بحثوں کے لیے مناسب ہے لیکن ہم اپنے اس مختصر مقالہ میں صرف فقہ صحابہ وتابعین اور حدیثی مکتب فکر، رائے اور اجتہادی مذاہب، فقہ کا بحران، معاصر فقہ اور اجتہاد کے طریقوں پر ہی اپنے خیالات کا اظہار کریں گے، اگرچہ ہم سے پہلے ان موضوعات کا حق بھی ادا کیا جا چکا ہے لیکن فی الوقت ہمارے سامنے ان لوگوں کی باتیں ہیں جن میں سے بعض کو تو کچھ فقہی علم ہے یا دوسرے وہ لوگ ہیں جن کی عادت فقہ کے خلاف زبان درازی کی ہے حالانکہ فقہ کے چند مظاہر کے علاوہ نہ ان کو اس کی تاریخ سے واقفیت ہے نہ اس کے مسائل سے یا تیسرے فقہ کے وہ حریف ہیں جو اس کے خلاف بے سروپا باتوں کی ترویج و اشاعت کرتے رہتے ہیں۔ ان سب کی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم مذکورہ بالا حقائق پر مبنی اپنے خیالات ذیل میں پیش کرتے ہیں:

شریعت وحی ہے اور فقہ تدبّر اور غور وفکر

اسلامی شریعت وحی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح نازل فرمایا جیسے اس سے پہلے دیگر شریعتوں کو بھیجا تھا۔ اس شریعت کے ابلاغ کا فریضہ اللہ تعالیٰ کے امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بحسن وخوبی انجام دیا تاکہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ سارے جہاں کے باشندوں کے لیے نور وہدایت، عقیدہ ونظام، ادب وتہذیب، تعلیم وتربیت، راہ عمل اور قانون حیات ودستور زندگی بنے جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ۲۸)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔

اسلامی فقہ، جن امور میں صراحت سے کوئی حکم نہیں ملتا ہے ان سے متعلق مسائل کے بارے میں کتاب وسنت پر غور وفکر اور تدبر وتفکر اور اشباہ ونظائر پر قیاس واجتہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مرضی تلاش کرنے کا نام ہے تاکہ اللہ کے بندے دلیل و حجت کی روشنی میں اپنی راہِ عمل مقرر کریں۔

اس طرح شریعتِ الٰہی اور اس سے متفرع دینی وفقہی علوم وفنون نے ہدایت کے طالب نفوس کو بت پرستی کے بچے کھچے عناصر سے پاک وصاف کرکے ان کو نورِ توحید اور ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال کیا، اوامر ونواہی کا پابند کرکے انسانی زندگی کا ضابطۂ اخلاق متعین کیا، میزانِ عدل قائم کرکے شخصی احوال اور خاندانی نظام کی بنیاد رکھی حقوق وواجبات کی حدبندی کرکے سیاسی وسماجی اور مالی ومعاشی امور کے اصول وقواعد مرتب کیے، عبادات ومعاملات کو یکساں اہمیت دے کر عوام وخواص، افراد وجماعتوں اور اقوام وحکومتوں کے باہمی تعلقات کو استحکام بخشا تاکہ ایک طرف ان کی غلطی، لغزش فتنہ اور کمزوری کے اسباب سے حفاظت رہے تو دوسری طرف ان کے لیے خیر، ترقی، سلامتی اور امن وامان کی ضمانت ہو۔ ان مصالح کی وجہ سے شریعت پر عمل واجب تھا، اس کے احکام نافذ تھے، کسی کو اس کی اطاعت وپابندی اور تطبیق وتنفیذ سے انکار نہ تھا، ہر ایک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو مانتا تھا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (النساء: ۵۹)	اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تمہارے اہل حل وعقد کی بھی، تمہارے درمیان جب کسی معاملہ میں نزاع ہوجائے تو اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین ہے تو اس متنازع فیہ معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو کہ انجام کے اعتبار سے یہی بہتر اور برتر ہے۔

شریعت کی پابندی، اگر دیکھا جائے تو امت کے لیے ایک اعتقادی امر تھا جس کا لحاظ تمام مسلمان اپنی مرضی اور اختیار سے کرتے تھے اس لیے کہ وہ اس کو اپنے رب کی رضا و رحمت اور دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ	بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف
كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ	سے ایسا نور اور کتاب مبین آئی ہے
مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ	جس کے ذریعہ وہ ان لوگوں کو سلامتی
وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى	کی راہ کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی مرضی
النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى	کی اتباع کرتے ہیں، وہ اپنے حکم سے ان
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝	کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا
(المائدہ: ۱۵۔۱۶)	اور سیدھی راہ کی رہبری سے نوازتا ہے

صحابہ کرام کی فہم

شریعت کا راستہ اہلِ ایمان کے لیے ہر مغالطہ سے محفوظ تھا اس لیے کہ وہ اپنے عہدِ اول میں براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ تھا، صحابہ کرام آپ سے بالمشافہ سن کر قرآن کی تعلیم حاصل کرتے، اس کو حفظ کرتے اور اپنی سمجھ بوجھ بڑھاتے، آپ ان کو قرآنی آیات کی تعلیم دیتے تو ان میں شامل احکام و موعظت کے مضامین کی دلنشیں وضاحت فرماتے، ان کے سامنے انہی کے مسائل سے متعلق قرآنی آیات نازل ہوتیں تو وہ خود بخود ان کے شانِ نزول سے واقف ہوتے اور ان کے معانی و مفاہیم ان کے دلوں میں اتر جاتے۔ اسی طرح روزمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشاہدہ کرتے اور آپ کی باتیں سنتے تو آپ کے کلام اور تصرفات کے معنی و مفہوم اور غرض و غایت سے پوری طرح باخبر ہوتے، ظاہر ہے کہ یہ مواقع بعد کے لوگوں کو حاصل نہیں رہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین رفقاء کار یعنی صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ اس لیے کہ جس کے علم کی بنیاد کسی واسطہ یا کئی واسطوں پر قائم ہو وہ ان خوش قسمت صحابہ کرام کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آنکھوں سے نورِ رسالت دیکھنے اور اپنے کانوں سے کلامِ نبوت سننے کی سعادت

بخشی تھی، یہی وجہ ہے کہ امورِ شریعت میں کتاب و سنت کے بعد صحابہ کرام کی فہم کی طرف رجوع بھی قطعی طور پر متعین ہے۔

مجتہد علماء کے کام میں عقل کی حکمرانی

مذکورہ بالا مصادرِ شریعت سے عام اصول اور کلّی قواعد حاصل کرکے ان پر تفریع مجتہد ائمہ کا کام تھا خواہ ان کے مکاتبِ فکر باقی رہے ہوں اور لوگوں میں مقبول و مشہور اور قابلِ اعتماد ٹھہرے ہوں جیسے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی فقہی مذاہب یا ان کو یہ مقام و مرتبہ حاصل نہ ہوسکا ہو اور صرف خاص لوگ ان کے اصول و احکام سے واقف ہوئے اور ان کے اقوال کو یاد رکھا جیسے عبدالرحمٰن اوزاعی (۸۸ - ۱۵۷ھ/ ۷۰۷ - ۷۷۴ء) سفیان ثوری (۹۷ - ۱۶۱ھ/ ۷۱۵ - ۷۷۸ء) محمد بن جریر طبری (۲۲۴ - ۳۱۰ھ/ ۸۳۹ - ۹۲۳ء) حسن بصری (۲۱ - ۱۱۰ھ/ ۶۴۲ - ۷۲۸ء) لیث بن سعد (۹۴ - ۱۷۵ھ/ ۷۱۳ - ۷۹۱ء) بہرحال اسلامی شریعت کے ان تمام ماہر علماء اور فقہ کے بزرگ مجتہد ائمہ نے کتاب و سنت کے اصولوں کو پوری طرح سمجھا، ان کے اغراض و مقاصد کو جانا بوجھا اور ان پر اعتماد کرکے ان سے احکام مستنبط کئے، نصوص کی عدم موجودگی میں فقہی احکام کو منضبط کرنے کے لیے اختلافِ مدارج کے باوجود فکر و تدبر سے کام لیا، اجماع و قیاس کی طرف رجوع کیا، استحسان، مصالحِ مرسلہ، سدِّ ذرائع اور عملِ صحابہ کا پاس و لحاظ رکھا اور منجملہ مقاصدِ شریعت کی تلاش و رعایت اور روحِ شریعت کی پاسداری و پابندی ان کے اجتہاد اور استنباطِ احکام کا بنیادی وصف تھی تاکہ اللہ کا دین قائم رہے اور اس کے بندوں میں اس کی شریعت نافذ رہے۔ کبھی کبھی نئے پیش آمدہ امور میں انھوں نے ایک کلّی قاعدہ کے تحت متفرع فروع میں سے کسی فرع پر قیاس کرکے اس کے اشباہ و نظائر کے مطابق بھی حکم مقرر کیا اور انھوں نے یہ سب کوشش و محنت صحابہ و تابعین کی طرف منسوب احکام و فتاویٰ کے طریقۂ کار کی پیروی میں کی۔

مجتہدین کے طریقۂ کار کی اس پوری تفصیل کو دیکھتے ہوئے مخالفین کے اس دعوے میں کوئی وزن باقی نہیں رہ جاتا کہ فقہی احکام صرف نقل بنیاد پر قائم ہیں

اور ان میں مجتہدین کی فکر و نظر، عقلی کاوشوں اور سوجھ بوجھ کی صلاحیتوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر مجتہد امام لغوی و شرعی علوم میں اپنی مہارت کا استعمال کرتے ہوئے اپنی عقلی وفکری صلاحیتوں کو بھی پوری طرح بروئے کار لایا، حالات کے سیاق وسباق اور اقوال کے دروبست سے نتائج نکالے، کتاب وسنت کے مقاصد کی روشنی میں احکام شریعت استنباط کیے، پھر احکام کی ترتیب وتدوین میں ایسا واضح منصوبہ اور طریقۂ کار وضع کیا جو قاضیوں اور مفتیوں کے لیے مشعلِ راہ بنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام کام ایسے اعلیٰ عقلی معیار اور فائق قدرت وصلاحیت کا محتاج تھا کہ جس کے ذریعہ نصوصِ شریعت میں شامل معانی ومفاہیم کی دلالتوں، ترتیب اور تخصیص وتقیید وغیرہ سے ضروری نتائج نکالے جائیں، مثال کے طور پر جب ایک مجتہد ایک غیر منصوص معاملہ کو دوسرے منصوص معاملہ پر کسی علت کی وجہ سے قیاس کرتا ہے تو اس کو علّت کے تمام مسالک پر غور کرکے مناط کی تحقیق وتخریج، مناسب علّت کی تعیین اور شرعی مقصد کی تلاش کرنا ہوتی ہے۔ اسی طرح کی کوشش مجتہد فقیہ کو اس وقت کرنا پڑتی ہے جب وہ قیاسی استحسان میں کسی مسئلہ پر اس کی نظیر کے حکم کے بجائے دوسری شرعی دلیل پر اعتماد کرتے ہوئے خفی قیاس کو جلی قیاس پر ترجیح دیتا ہے یا استثنائی قیاس میں کسی خاص دلیل کی بناء پر عام کلّی اصل قاعدہ سے جزئی مسئلہ کا استثناء کرتا ہے۔ اس طرح کی تمام حالتوں میں اس کی کوشش مقاصدِ شریعت کی رعایت اور لوگوں سے حرج (تنگی) رفع کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اس دقیق وپیچیدہ کام میں بھی اعلیٰ سوجھ بوجھ، حالات پر نظر، استنباط کے طریقوں پر قدرت، مقاصد شریعت کا اعتبار اور لوگوں کے مصالح کا خیال ہی مجتہد کو اس بلند معیار کے غور وفکر، علمی مقارنہ وموازنہ اور تحقیقی تلاش وجستجو پر آمادہ کرتا ہے، ورنہ عقلی ریاضت کی اس انتھک محنت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کی ایسی وضاحت کی توفیق نہیں مل سکتی جس سے اس کی خوشنودی بھی حاصل ہو اور نفس کو اطمینان کی دولت بھی میسّر آئے۔

اسی طرح مرسل استدلال (جس کے امام مالک اور امام شافعی قائل ہیں) اور مصالح مرسلہ (جن میں صرف ایک متعین نص یا مخصوص واقعہ کا نہیں بلکہ جملہ احکام شریعت کا اعتبار کرنا ہوتا ہے) کا حال ہے جن میں وسیع علمی صلاحیت اور روحِ شریعت

کی دقیق معرفت ہی سے مجتہد کو اس بات کے طے کرنے کا موقع ملتا ہے کہ زیر نظر مصلحت سے اہمال نہیں برتا جاسکتا اور امکانی مفسدہ سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ یہی حال سدّ ذرائع کے قاعدہ کا ہے جس کو امام مالک نے بیشتر ابواب فقہ پر لاگو کیا ہے اور جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مصلحت سے بھی بچا جائے جس میں مفسدہ کا احتمال ہو۔ یہاں بھی مجتہد کو موارد احکام پر غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح کہ ان مقاصد کو سوچا جائے جن میں مصالح و مفاسد دونوں شامل ہوں، پھر ان وسائل پر غور و فکر کیا جائے جو ان مقاصد تک پہنچاتے ہیں، پھر اس کاوش کے نتیجہ میں حرام یا حلال کا جو حکم متعین ہو اس کو بیان کیا جائے، لیکن بقول قرافی یہ بات الگ ہے کہ حکم کے اعتبار سے وسائل کا مرتبہ مقاصد سے کم ہے، نیز یہ کہ بہتر مقاصد کا ذریعہ بہتر وسائل ہوتے ہیں اور بدتر مقاصد کا بدتر وسائل اور متوسط کا متوسط۔

جہاں تک کلّی قواعد فقہ کا تعلق ہے تو ان میں بھی مجتہد کو مقاصد کے حصول، ان کے درمیان موازنہ اور ان میں تقدیم و تاخیر میں بڑی محنت کرنا پڑتی ہے، مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لاضرر ولاضرار (یعنی شرعاً نہ نقصان پہنچانا جائز ہے نہ نقصان اٹھانا) سے درج ذیل قواعد نکلتے ہیں: شرعاً نقصان کو رفع کیا جائے گا، ایک نقصان کو دوسرے نقصان سے زائل نہیں کیا جائے گا، مضرتوں کو رفع کرنا منفعتوں کے حصول پر مقدم ہے، عام نقصان کو دفع کرنے کے لیے خاص نقصان کو برداشت کرلیا جائے گا۔ سخت ترین نقصان کو کمترین نقصان سے زایل کیا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے تمام کلّی قواعد میں فقیہ کو شرعی قاعدہ کی رعایت کے ساتھ اس سے متعلق بے شمار جزئی مسائل پر غور کرنا پڑتا ہے خواہ وہ احکام کتاب وسنت کی نص سے ثابت ہوں یا شرعی ضابطوں اور حدود کے اندر رائے اور اجتہاد سے مستنبط ہوں۔ ایسے تمام قواعد اور ان کی تفریعات یا ان کو شامل احکام پر تفصیلی بحث اشباہ و نظائر اور فروق و قواعد کی خصوصی کتابوں میں ملتی ہے جیسے ضرورتیں ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں، ضرورت کا لحاظ بقدر حاجت ہی ہوگا، حرج (تنگی) شرعاً رفع کی جائے گی۔ مشقت آسانی کو لاتی ہے، جس معاملہ میں تنگی پیش آئے اس میں وسعت سے کام لیا جائے گا، ممنوعات کے مباح کرنے میں حاجت کو ضرورت کا مقام دیا

جائے گا، رعایا کے معاملات میں امام (حاکم) کا تصرف واختیار مصلحت سے مربوط ہوگا۔

اب فقہی مذاہب کی مذکورہ بالا علمی وفکری سرگرمیوں اور فقہی اجتہاد کی کاوشوں پر جو بھی غور کرے گا اس کو ان کے اس اہم دور کا ضرور اندازہ ہوگا جو انھوں نے ادا کیا۔ اس کی شہادت فقہ وقانون کے ان ممتاز علماء نے دی ہے جنھوں نے مختلف فقہی مذاہب اور دیگر قوانین کے درمیان احکام کی جزئیات احاطہ واستقراء اور موازنہ ومقابلہ کا کام انجام دیا ہے ان کے علاوہ تفسیری کتابوں اور احادیث کی شرحوں میں مذکور آیات واحادیث کے احکام پر بحثیں بھی مسلم علماء کے اجتہاد کے رنگ سے رنگی ہوئی ہیں۔ اس پر اگر ہر فقہی مسلک کی امہات کتب کا اضافہ کرلیا جائے تو اجتہاد کے اس عظیم سرمایہ کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو مسلم علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء، قضاۃ وغیرہ نے اپنے سنہرے علمی عہد میں تکمیل کو پہنچایا جیسے:

حنفی فقہ میں:

امام محمد بن حسن شیبانی (۱۳۱-۱۸۹ھ/۷۴۸-۸۰۴ء) کی 'الاصل'

برہان الدین محمود بن احمد (۵۵۱-۶۱۶ھ/۱۱۵۶-۱۲۱۹ء) کی 'المحیط البرہانی'

محمد بن محمد سرخسی (وفات ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء) کی 'المحیط' اور 'مجمع الابحر'

محمد امین بن عابدین (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ/۱۷۸۴-۱۸۳۶ء) کا حاشیہ

ابوبکر بن مسعود کاشانی (وفات ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء) کی 'بدائع الصنائع'

محمد بن عبدالواحد بن ہمام (۷۹۰-۸۶۱ھ/۱۳۸۸-۱۴۵۷ء) کی 'فتح القدیر'

اور دیگر کتب فتاویٰ وفقہی رسائل

مالکی فقہ میں:

عبدالسلام بن سعید سحنون (۱۶۰-۲۴۰ھ/۷۷۷-۸۵۴ء) کی 'المدوّنہ'

عبدالملک ابن حبیب سلمی (۱۷۴-۲۳۸ھ/۷۹۰-۸۵۲ء) کی 'الواضحۃ'

علی بن محمد لخمی (وفات ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء) کی 'التبصرہ'

محمد بن عبداللہ ابن یونس (۵۹۲-۶۵۲ھ/۱۱۹۶-۱۲۵۶ء) کی 'الجامع'

عبداللہ ابن ابی زید (وفات ۳۸۶ھ/۹۹۶ء) کی 'النوادر'

محمد بن محمد بن عرفہ (۷۱۶-۸۰۳ھ/۱۳۱۶-۱۴۰۰ء) کی 'المختصر'

عبداللہ بن محمد بن شاس (وفات ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء) کی 'الجواہر الثمینہ'

خلیل بن اسحاق (وفات ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء) کی شرحیں
قاضی عیاض بن موسیٰ (۴۷۶۔۵۴۴ھ/۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء) کی 'التنبیہات'
احمد بن ادریس قرافی (وفات ۶۸۴ھ۔۱۲۸۵ء) کی 'الذخیرہ'
قاضی عبدالوہاب بن علی (۳۶۲۔۴۲۲ھ/۹۷۳۔۱۰۳۱ء) کی 'التلقین'
محمد بن علی مازری (۴۵۳۔۵۳۶ھ/۱۰۶۱۔۱۱۴۱ء) کی 'شرح'
یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر (۳۶۸۔۴۶۳ھ/۹۷۸۔۱۰۷۱ء) کی الاسنذکار اور فتاویٰ وغیرہ

شافعی فقہ میں:

امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/۷۶۷۔۸۲۰ء) کی 'الام'
علی بن محمد ماوردی (۳۶۴۔۴۵۰ھ/۹۷۴۔۱۰۵۸ء) کی 'الحاوی'
قاضی زکریا بن محمد (۸۲۳۔۹۲۶ھ/۱۴۲۱۔۱۵۲۰ء) کی 'اسنی المطالب' شرح المنہاج اور المجموع۔

حنبلی فقہ میں

احمد بن محمد خلاّل (وفات ۳۱۱ھ/۹۲۳ء) کی 'الجامع الکبیر'
عبداللہ بن احمد بن قدامہ (۵۴۱۔۶۲۰ھ/۱۱۴۶۔۱۲۲۳ء) کی 'المغنی'

ہر مذہب کے ان چند نمائندہ ناموں سے اس علمی ثروت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو فقہ و شریعت کے میدان میں تیار ہوئی۔ جس کا ناگزیر اثر اس میدان میں بحث و تحقیق کی داد دینے والوں کی وسعتِ فکر و نظر پر پڑا اور فقہی اختلافات اور ان کی تعلیل و استنباط کے طریقوں کی سوجھ بوجھ کی راہ ہموار ہوئی جن کے نظریات کے مطالعہ کا حق ہمارے خیال میں اب تک ادا نہیں ہوا ہے۔ اس قیمتی ثروت کے فلسفہ سے واقفیت کے لیے ہم کو بزرگ اہلِ علم کی ان تصانیف کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے جو انھوں نے خلافِ عالی اور فقہ مقارن کے موضوعات پر تیار کی ہیں جیسے:

محمد بن علی بن الدہان (وفات ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء) کی 'تقویم النظر'
قاضی عبدالوہاب بن علی (۳۶۲۔۴۲۲ھ/۹۷۳۔۱۰۳۱ء) کی 'الاشراف علی مسائل الخلاف'
ابن المرتضیٰ کی 'البحر الزخار'

ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (۳۸۴-۴۵۸ھ/۹۹۴-۱۰۶۶ء) کی 'الخلافیات'
قاضی حسن کی 'طریق الخلاف بین الحنفیہ والشافعیہ'
عبداللہ بن یوسف جوینی (وفات ۴۳۸ھ/۱۰۴۷ء) کی 'الجمع والفرق' وغیرہ۔

یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مطالعہ سے تمام فقہی آرا، اوران سے متعلق ان اجتہادی نظریات تک پہنچا جاسکتا ہے جن پر مختلف فقہی مکاتبِ فکر کی بنیاد رکھی گئی تھی اور جن کی بحث وتحقیق سے ہمارے آج کے دور کے مشکل مسائل کی گرہیں کھلنا بھی یقینی ہے، لیکن افسوس کہ دینی علوم کی ترقی، فقہی احکام و شرعی مسائل اوران کی فروع وجزئیات میں دقت نظر، عمق اور جامعیت کے گذشتہ سنہرے دور کے بعد جمود وتقلید کے طویل عہد نے اجتہاد کی تحریک کو بالکل مفلوج کردیا۔ عالم اسلام کے ہر علاقہ کے علماء نے زیادہ سے زیادہ سابق مجتہد ائمہ کی آراء کی تخریج، ان کے درمیان ترجیح، تفریع اور قیاس ہی کو اپنا مطمح نظر بنالیا اور ہر فریق اپنے اپنے مسلک کے دائرہ میں بند ہوگیا، اس کے نتیجہ میں تنگ نظری پھیلی، تقلید لازمی ہوگئی، متون ومختصرات، شروح وحواشی، تعلیقات وہوامش کا ڈھیر لگ گیا، فقہاء اور دیگر علماء کے درمیان بے سود لفظی مجادلہ کا بازار گرم ہوگیا اور ممتاز علماء تک کی مساعی اپنے مسلک کی آراء کی حفاظت اوران کو بعض دیگر مذاہب کے اقوال کے ذکر کے ساتھ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے تک محدود ہوگئیں۔ ان کے تفصیلی دلائل کے ذکر سے بیشتر صرف نظر کیا گیا تو کج بحثی کے فروغ کے ساتھ فقہی فہم معطّل ہوگئی، مسلکی تعصب، کشمکش ومزاحمت بڑھ گئی اور اہل اقتدار کی سرپرستی میں مناظرہ ومجادلہ کے فتنہ خیز پرشور جلسے منعقد ہونے لگے۔

امام ابوحامد غزالی (۴۵۰-۵۰۵ھ/۱۰۵۸-۱۱۱۱ء) نے احیاء العلوم کی فصل مہلکات میں ان مظاہر کا ذکر کیا ہے اور مجادلہ کی تعریف میں لکھا ہے: "اس کا مقصد فریق مقابل کو لاجواب وبے بس کرنا اوراس کے کلام کی مذمت ونکتہ چینی سے اس کی تنقیص، کم عقلی اور جہالت ثابت کرنا ہوتا ہے"۔ اسی طرح ا کے بارے میں لکھا: مخاطب کے کلام پر لفظی یا معنوی گرفت کے ساتھ اس کی نیت میں خلل ثابت کرکے اعتراض کرنا ہوتا ہے"۔ اور چوتھی فصل میں علم خلاف سے لوگوں کی دلچسپی کے ذیل میں لکھا: علماء سلف کی عادت تھی کہ وہ عہدہ ومنصب سے فرار اختیار کرتے تھے اور خلفاء وسلاطین قضاء وافتاء کے عہدوں پر تقرری کے لیے ان کے پیچھے اصرار کرتے پھرتے تھے، پھر جب علماء جاہ وعزت کی دھن میں پڑ گئے تو اپنے کو حکام کے سامنے پیش کرنے لگے، ان سے تعارف کے لیے کوشاں ہوئے، عہدوں اور انعام و اکرام کی خواہش کی جس میں بعض کامیاب ہوئے اور بعض نامراد، اس طرح وہ مطلوب کی جگہ طالب بن گئے، وہ سلاطین سے اعراض کے رویّہ کی وجہ سے ان کے سامنے باعزت تھے، ان کی طرف مائل ہوکر ذلیل وخوار ہوئے"۔ (باقی آئندہ)